اور راوی نے کہا

اردو مثنوی

علیم صبا نویدی

ALTAF SHADAB

ترتیب وتدوین

الطاف شاداب : ڈاکٹر جاویدہ حبیب

DR. JAWEEDA HABEEB,
M.A., M.Phil., Ph.D., (Urdu) M.A. (Arabic), B.L.I.S.

اور راوی نے کہا

اردو مثنوی

علیم صبا نویدی

ترتیب وتدوین

الطاف شاداب: ڈاکٹر جاوید حبیب

نامِ کتاب : اور راوی نے کہا

موضوع : اردو مثنوی

مصنف : علیم صبا نویدی

ترتیب وتدوین : الطاف شاداب: ڈاکٹر جاویدہ حبیب

مطبع : ٹمل اردو پبلی کیشنز چنائی ۵

ناشر : نورِ جنوب، چنائی ۵

سن اشاعت : جولائی 2020

قیمت : Rs. 80/-

پرنٹر : Printed by J.M. Process Chennai - 600 005.

Author: ALEEM SABA NAVEEDI, B.A. (Alig)
No. 266, Triplicane High Road, Chennai - 600 005.
Cell: 91761 37462 Email: sabanaveedi42@gmail.com

منظوم تبصرۂ شاداب
"مثنوی اور راوی نے کہا"

سج گئی دستِ صباؔ میں اور راوی نے کہا
مثنوی فکری فضا میں اور راوی نے کہا

لے گیا شہرِ ادب سے خوب تحسین و خراج
لکھ گیا اَسّی (۸۰) کتابیں اور راوی نے کہا

رائے دی راقم نے کیجئے کچھ رقم اپنے لئے
تا کجا دنیا کی باتیں اور رواِی نے کہا

جا کے جب اُس نے بڑی مشکل سے حامی ہے بھری
آپ بیتی کی رضا میں اور رواِی نے کہا

مثنوی میں اُس کے ہم عصر و ادب کے شہ سوار
ہم رکاب و ہم نوا ہیں اور رواِی نے کہا

روحیں دانشؔ راجیؔ صدیقی رفیعؔی کی ہنوز
ہیں گواہ اُس کی رسا میں اور راوی نے کہا

شعراء و ادباء سے ہے آباد ایوانِ علیم
سب صباؔ کی ہے سبھا میں اور راوی نے کہا

اور کیا خوانِ صباؔ میں ہے کتابوں کے سوا
ہیں یہی اُس کی غذائیں اور راوی نے کہا

کبھدی چھوٹی سے بحر میں اُس نے اپنی داستاں
فاعلاتن فاعلا میں اور راوی نے کہا

ایک اہم تاریخی دستاویز سے

اردو ادب کی پہلی مثنوی چندائن ہے۔

اس کے مصنف ملا داؤد دائمو ہیں، دائمو رائے بریلی کا ایک قصبہ ہے۔

یہ مثنوی لورک اور چندا کے عشق کا قصہ ہے۔

یہ مثنوی ہندوی زبان میں ہے۔

اس مثنوی کے تعلق سے تین نظریہ قائم کئے گئے ہیں۔

مثنوی کی تخلیق (1) 779ء (2) 789ء (3) 781ء میں ہوئی۔

پہلا نظریہ عبدالقادر بدایونی، دوسرا نظریہ سید محمد حسن اور عسکری تیسرا نظریہ ڈاکٹر جمیل جالبی کا ہے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ ملا داؤد حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت امیر خسرو کے ہم عصر ہیں۔

محقق ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے لکھا ہے کہ خواجہ بندہ نواز التوفی 820ء

سے قبل ملا داؤد کی اولین مثنوی چندائن 781ء میں تخلیق پائی تھی۔

علیم صبا نویدی

مقدمہ

پروفیسر قاضی حبیب احمد
صدر، شعبہ عربی، فارسی واردو
مدراس یونی ورسٹی

تمل ناڈو میں مثنوی نگاری کی بڑی شاندار اور تابناک روایات رہی ہیں۔ سقوط گولکنڈہ و بیجاپور کے بعد آرکاٹ کے نوابوں نے انگریزوں کی مالگذاری کے باوجود اپنے محدود وسائل سے علماء اور اہل ہنر کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ بقول ڈاکٹر سیدہ جعفر" والا جاہی حکمرانوں کی علم دوستی، ان کی داد و دہش اور زبان و ادب کی خدمت کے جذبے نے علاقہ آرکاٹ کو ایک دبستان ادب کی حیثیت عطا کردی تھی۔" تمل ناڈو میں اردو زبان و ادب کی سرپرستی کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں۔ "سلطنت گولکنڈہ اور بالخصوص بیجاپور کی تباہی کے بعد دکنی خاندان جوق در جوق میسور اور تامل ناڈو کا رخ کر رہے تھے۔ اس طرح دکنی اردو کی تامل کے علاقے میں توسیع ہو رہی تھی۔"

جہاں تک مثنوی نگاری کا سوال ہے جنوبی ہند میں شمال کی بہ نسبت زیادہ مثنویاں رقم ہوئیں۔ تمل ناڈو میں جو اس وقت ریاست کرناٹک کے زیر اثر تھا، مثنوی نگاری کی ایک مستحکم اور پائیدار روایت ملتی ہے۔ علاقہ مدراس میں اردو مثنویوں کا اولین نقش نصرتی، مومن، معظم، شغلی، گیانی، ہاشمی وغیرہ کے ہاں نظر آتا ہے۔ مومن نے ۱۶۸۱ء میں "اسرار عشق" کے نام سے دکھنی زبان میں ایک ضخیم مثنوی لکھی۔ معظم کی چار مثنویاں "گلزار بہشت، گنج مخفی، "وجود العارفین" اور "شجرۃ الاتقیاء" سالار جنگ میوزیم لائبریری میں آج بھی محفوظ ہیں۔ ان سب کا موضوع تصوف ہے۔ شغلی کی مثنوی "پند نامہ" جو ۱۰۸۶ھ میں لکھی گئی تھی، یہ ۱۰۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ شاہ مرتضی گیانی ایک صوفی شاعر تھے۔ ان کی ایک طویل مثنوی "وصل نامہ" کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ ہاشمی بیجاپور سے ہجرت کر کے آرکاٹ چلے آئے تھے۔ ان کی مثنوی "یوسف زلیخا" جو ۱۶۸۷ء میں تصنیف ہوئی تھی کافی معروف و مقبول ہے۔ لالہ جسونت رائے، منشی تخلص کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اپنی ایک اردو مثنوی "گلدستۂ عشق" کا بھی ذکر کیا ہے جو غواصی کی مثنوی "سیف الملک وبدیع الجمال" سے ماخوذ ہے۔

نواب محمد علی والا جاہ کا دور حکومت علم و ادب کا دور زرین تھا۔ کئی شعراء کی ضخیم مثنویاں معرض وجود میں آئیں۔ ولی اورنگ آبادی کے معاصر میر ولی فیاض ولی ویلوری کی مثنوی "رتن پدم" تقریباً چار ہزار ابیات پر مشتمل تھی یہ "رتن پدم" پدماوت کا منظوم ترجمہ ہے۔ پدماوت کو ملک محمد جائسی نے اودھی زبان میں تصنیف کیا تھا۔ ولی ویلوری کی دوسری مشہور مثنوی "روضۃ الشہداء" ہے جو تقریباً پانچ سو ابیات کی ایک طویل دکھنی مثنوی ہے۔ حضرت خواجہ رحمت اللہ ایک اہل دل بزرگ اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ رحمت تخلص تھا۔ آپ نے کئی مثنویاں لکھیں، جن میں سب سے زیادہ شہرت "تنبیہ النساء" (رسالہ بدعت شکن) کو حاصل ہوئی۔ حضرت قربی ویلوری نے ایک مختصر مثنوی "چکی نامہ" لکھی۔ قربی ویلوری کے فرزند حضرت ذوقی نے دو تاریخی مثنویاں لکھیں۔ پہلی مثنوی "در بے بہا" قلعہ تنجاور کی فتح سے متعلق ہے اور دوسری مثنوی محمد نجیب خاں شہید کے حالات پر لکھی گئی ہے جو نواب انورالدین خاں کے رفیق کار اور مصاحب تھے۔ حضرت ذوقی کی دیگر اردو مثنویوں میں "عقائد ذوقی" اور "غوث نامہ" قابل ذکر ہیں۔

مولوی امین الدین احمد نے اپنے شاگردوں اور دوستوں کی ایماء پر ایک طویل مثنوی دکھنی زبان میں "عقائد امین الدین احمد خان" کے نام سے منظوم کی تھی۔ باقر آگاہ کی سولہ مثنویاں ہیں جن میں سے اکثر مطبوعہ ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے "یورپ میں دکنی مخطوطات" میں آگاہ کی مزید تین مثنویوں "رسالہ فرقہ ہائے اسلام"، "ہدایت نامہ" "معراج نامہ" کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ مثنویاں پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی میں آگاہ کی ایک مثنوی شرح کلمہ ایمان مجمل کا مخطوطہ موجود ہے۔ مثنوی "گلزار عشق" آگاہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔ شاہ تراب کی اہم اور معرکۃ الآراء مثنوی "من سمجھاون" ڈاکٹر

سیدہ جعفر کے بسیط مقدمے اور مفید حواشی کے ساتھ ۱۹۶۲ء میں حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہے۔ سید محمد والہ موسوی کی ایک مثنوی ' طالب و موہنی'' مشہور ہے۔ ''طالب موہنی'' کی درد بھری کہانی مہاراشٹرا کے ایک برہمن نے والہ کو سنائی تھی۔ اس واقعہ کا والہ پر گہرا اثر ہوا اور اسے انھوں نے مثنوی کا روپ دے دیا۔

نواب والا جاہ کے ملک الشعراء میر اسماعیل خان ابجدی کی ایک مختصر دکنی مثنوی ''حقیقت نامہ'' شائع ہو چکی ہے۔ جو دراصل مثنوی مولانا روم کے پہلے شعر کی شرح ہے اور اس میں بعض تصوف کی اصطلاحات کی مبسوط بحث پیش کی گئی ہے۔ نواب عمدۃ الامراء کے دربار کے ایک باکمال شاعر سرشار بھی تھے۔ ان کی ایک مثنوی ''چار گلشن'' کا پتہ چلا ہے۔ غلام محی الدین معجز مدراس کے مشہور استادِ سخن گذرے ہیں۔ دکھنی دیوان میں ایک عشقیہ مثنوی اور چھبیس صفحوں میں غزلیات ہیں۔ شاہ غوث جامی، اپنے پیر و مرشد سید سر اللہ انتر جامی کی نسبت سے جامی لکھتے تھے۔ غوثی تخلص تھا۔ اب تک ان کی تین اردو مثنویوں ''روضہ صفا''، ''ریاض مسعود'' اور ''ضیافت نامہ'' کا پتہ چلا ہے۔ اسی تخلص والا ایک شاعر غوثی چنگل پیٹی بھی گذرا ہے۔ جس نے مثنوی ''شہادت جنگِ سلطانی'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی تھی۔ یہ مثنوی ٹیپو سلطانؒ کی شہادت کے بعد ہی ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی ہے۔ نواب اعزالدین خاں نام تھا۔ کبھی نامی اور کبھی مستقیم تخلص کرتے تھے۔ نامی کی مثنویوں میں ''نوبہار عشق''، ''بہارستان عشق''، ''سلیمان نامہ''، ''گنج قدرت''، ''قصہ بی بی مریم'' اور ''داستان کلفت'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ''سلیمان نامہ'' ایک طویل مثنوی ہے۔ سید حسین شاہ حقیقت کی مثنویوں میں ''ہیرا من طوطا'' مشہور ہے۔ جو حقیقت نے اپنے قیام مدراس کے زمانے میں پڑھی یا سنی تھی۔ سید محمود بلگرامی، قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے، مدراس آئے اور آرکاٹ میں سکونت اختیار کی۔ انھوں نے مثنوی ''بہشت گلزار'' ۱۲۲۵ھ میں مرتب کی۔ محمود کی یہ مثنوی امیر خسروؒ کی ''ہشت بہشت'' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ شریف مدراسی کی ایک مثنوی ''شامِ غربت'' (۱۸۸۹ء) قابلِ ذکر ہے۔ نواب رؤف احمد پرتو نواب عظیم جاہ ہفتم پرنس آف آرکاٹ کے نواسے تھے۔ آپ کی تصانیف میں مثنوی ''حرزِ جاں'' قابلِ ذکر ہے۔ ''وفاق نامہ پرتو''، ''سیہ نامہ پرتو''، ''معذرت نامہ پرتو'' ان کی طویل مثنویاں ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے کئی مختصر مثنویاں بھی کہی ہیں۔ مختصر مثنویوں میں 'فراق نامہ' ۱۸۷ ابیات پر مشتمل ہے۔ لطف النساء بیگم امیمہ آرکاٹ کے ایک مذہبی اور علمی گھرانے کی باصلاحیت ادیبہ اور شاعرہ تھیں۔ آپ کی مثنویوں میں ''گلبن مہ رخاں''، ''گلشن مہ وشاں''، ''مثنوی گلشن شاہداں'' قابلِ ذکر ہیں۔ شاکر وانمباڑی کی مثنوی ''چندر بدن و مہیار'' زبان و بیان کی خوبیوں کے سبب اہلِ نقد سے داد و تحسین وصول کر چکی ہے۔ کاوش بدری کی ایک مثنوی ''قبلہ نما'' ۱۹۶۵ء میں طبع ہوئی ہے۔ آپ کی مثنویوں کے موضوعات عموماً سیاسی اور کبھی متصوفانہ ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ سالک نا کطی مرحوم نے بھی ایک طویل مثنوی ''عشق پیچاں'' تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل لکھی تھی مگر طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ اس سلسلے کی ایک اہم کوشش زیرِ نظر مثنوی ''اور راوی نے کہا'' ہے۔ یہ سلسلہ جو نصرتی سے شروع ہوا مومن، معظم، شاہ گیانی، شاہ مرتضیٰ، ہاشمی، منشی، ولی ویلوری، رحمت، قربی ویلوری، ذوقی، امین الدین احمد، باقر آگاہ، شاہ تراب، والہ، ابجدی، سرشار، غوثی، غوثی چنگل پیٹی، نامی، حقیقت، محمود، شریف مدراسی، پرتو، امیمہ آرکاٹی سے ہوتا ہوا شاکر وانمباڑی، کاوش بدری، سالک نا کطی اور علیم صبانویدی تک پہنچتا ہے۔

دو صدیوں پر محیط اس عرصے میں ادب کا گراں قدر سرمایہ نہاں ہے۔ بقول نصیر الدین ہاشمی ''دکن کے دیگر حصوں میں جو مثنویاں لکھی گئیں ان کے قطع نظر صوبہ مدراس کی مثنویوں میں قصے کہانیوں سے زیادہ سیر، عقائد، مناقب، وغیرہ کو مثنویوں کا موضوع قرار دیا گیا ہے۔'' علیم صبانویدی نے اسے اور وسعت دے کر خود نوشت کے لئے اس پیمانے کو منتخب کیا ہے۔ علیم صبانویدی کے ہاتھوں شاید ہی ادب کا کوئی میدان فروگذاشت رہا ہو۔ بھلا وہ مثنوی جیسی مہتم بالشان صنف سخن میں طبع آزمائی سے کیوں کر پیچھے رہتے۔ انھوں نے نہ صرف اسے برتا بلکہ اس میں بھی جدت پیدا کی۔ مثنوی کے معروف اور عمومی مضامین سے ہٹ کر خود نوشت رقم کرنے کے لئے اس پیمانے کا استعمال کیا ہے۔ خود نوشت تو کجا سیرت نگاری کے لئے بھی خال خال ہی اس صنف کا استعمال ہوا ہے۔ جیسے محسن کاکوروی کی دو ایک مثنویاں سیرت کے موضوع پر ہیں۔ خود نوشت تو میں نہیں سمجھتا نہ اردو میں نہ تو فارسی میں مثنوی کے سانچے میں ڈھالی گئی ہے۔ علیم صاحب کو شروع ہی سے یہ خبط رہا ہے کہ وہ ادب میں نئے نئے میدانوں کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔ انھوں نے ہیئتی تجربوں پر کتاب ہی نہیں لکھی، بلکہ خود انھوں نے ہیئتی تجربے کئے۔ دیگر زبانوں کی اصناف سخن کو اردو میں برتنے کی کوششوں میں حوصلہ دکھایا۔ جاپانی صنف ہائیکو کو اردو میں برتنے کا تجربہ کیا۔ خود اردو کی موجود اصناف میں جدتیں پیدا کیں، نئے نئے زاویے نکالے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ

انھیں ایسے فن کار نصیب نہیں ہوئے جو ان کے مقلد بنتے۔ ان کی نکالی ہوئی نئی راہوں پر گامزن ہوتے۔ فن اسی طرح نکھرتا ہے۔ نیا جذبہ اور نئے حوصلے فن میں نکھار لاتے ہیں۔ نقش اول ہمیشہ خام ہی رہتا ہے۔ خام کو خالص بنانے میں وقت لگتا ہے۔ علیم صبا نویدی کے دریافت شدہ جہانوں کو پذیرائی اس لئے نصیب نہیں ہوئی کہ وہ ہمیشہ لوگوں سے اکھڑے رہے۔ ان کے مزاج کے سبب لوگوں کا قرب وبعد ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ کیا کہ ان کے نام کے ساتھ کام کو بھی نظر انداز کر دیا جائے۔ اب لوگ اتنے مخلص نہیں رہے کہ صرف فن سے سروکار رکھیں اور فنکار کے تلون سے صرف نظر کریں۔ یہ مصرع علیم پر صادق آتا ہے۔

ع زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

علیم صاحب کی زیر نظر مثنوی ''اور راوی نے کہا'' اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے۔ ہر فن کار کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے ماضی کے جھروکوں میں جھانکے اور یادوں کی دنیا سے گرم وسرد کا ادراک کرے۔ نشاط آگیں لمحوں سے سرود اور کبھی نامساعد حالات سے کرب واندوہ کا احساس کرے۔ یہ امیدیں اور یہ محرومیاں فنکار کے لئے ماضی کا انمول تحفہ ہوتا ہے۔ علیم صاحب نے اپنے نقوش حیات پیش کرتے ہوئے ضرور ہی دشواری محسوس کی ہوگی۔ کیونکہ اس لمبے سفر میں انھیں کتنے سارے انقلابات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ کتنے سارے نشیب وفراز سے گزرنا پڑا ہوگا۔ اس دوران کتنے سارے رجال اور کتنی ساری منازل، مراحل اور مراجع سے سابقہ رہا ہوگا۔ انھوں نے اس مثنوی میں ان ساری تلمیحات کو احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ یہ چونکہ شاعر کے زندگی کی کتاب ہے۔ اس کی تفہیم کے لئے فرہنگ بھی ضروری ہوگی، جس میں وہ ساری تلمیحات ومصطلحات واشارات کی تفصیل موجود ہو۔ چنانچہ یہ ضمیمہ بھی مثنوی کے ساتھ منسلک ہے۔

علیم صاحب کی یہ پہلی مثنوی ہے۔ لیکن اس میں بلا کی آمد اور روانی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے چھوٹی بحر مقرر کی ہے۔ ''فاعلاتن فعولن'' میں انھوں نے بیانیہ کو خوبی سے نبھایا ہے۔ اردو کی شہکار مثنوی ''سحر البیان'' کی بحر ''فعولن فعولن فعولن فعول'' ہے۔ اس میں تسلسل، آمد اور روانی پیدا کرنا آسان ہے۔ جو بحر علیم صاحب نے اختیار کی ہے، اس میں اظہار مدعا یقیناً مشکل ہے۔ بعض اشعار تو ایسے پھڑکتے ہوئے ہیں کہ عش عش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اتنی چھوٹی بحر میں کس خوبی سے اظہار خیال کیا ہے۔ نمونتاً دو شعر پیش ہیں:

سخن سے ایسا جڑ گیا
خود آپ سے بچھڑ گیا

☆

خود اپنا خاکہ کھینچ کے
کیا ہے مثنوی اسے

علیم صبا نویدی کی شخصیت اور حالات زندگی پر کوئی بیس سال پیشتر یعقوب اسلم نے ''عکس در عکس'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کی طبع ثانی اس ناچیز کے مقدمے کے ساتھ ۲۰۱۴ء میں عمل میں آئی۔ اس میں یعقوب اسلم نے بڑی بے باکی سے علیم صاحب کی زندگی کے محاسن ومعائب کا جائزہ لیا ہے۔ یہ مثنوی دوسری کوشش ہے جس میں علیم صاحب کی ذاتی زندگی کی پرتیں ایک حد تک کھلتی ہیں۔ فن کو سمجھنے کے لئے فن کار کی زندگی اور مزاج سے آگہی بھی لازمی ہوتی ہے۔ یہ علیم صاحب نے بہت اچھا کیا کہ نثر میں نہ سہی مثنوی کی ہیئت میں اپنی خودنوشت یا خود ان کی زبان میں ''خاکہ'' کھینچا ہے۔ وہ اپنی اتنی اچھی کوشش کے باوجود کسر نفسی کا اظہار کر رہے ہیں:

جو سمجھیں آپ ہے بجا
یہ مثنوی کہ مرثیہ

علیم صبا نویدی کی یہ مثنوی اس حیثیت سے بھی اہم ہے کہ پہلی بار مثنوی میں خودنوشت کا تجربہ کیا گیا ہے۔ ایک کلاسیکی صنف شاعری کو زندہ کر کے ایک اور کارنامہ انھوں نے انجام دیا ہے۔ ان کوششوں سے اردو ادب میں ہماری ریاست کی بھی نیک نامی ہے۔ جس کے لئے ہم آپ کے ممنون احسان ہیں۔

☆☆☆☆☆

بیان اپنا

ڈاکٹر جاویدہ حبیب

پندرھویں صدی کے اواخر میں جب بہمنی سلطنت کا زوال ہوا تو پانچ آزاد سلطنتیں عادل شاہی، قطب شاہی، نظام شاہی، برید شاہی اور عماد شاہی وجود میں آئیں۔ ان سلطنتوں کے علماء، فضلاء، شعراء اور اہلِ کمال کی وجہ سے دکنی زبان کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی۔

اردو کی قدیم مثنویوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ سب سے پہلے مثنوی کی ابتدا دکن میں ہوئی۔ اس دور کی مثنویاں اکثر ہندی بحروں پر مستعمل تھیں۔ دکن میں اردو مثنویوں کی ابتدا بہمنی دور سے ہوئی۔ اس دور کی مثنویوں میں مذہبی اور تاریخی واقعات کے علاوہ سنجیدہ موضوعات میں اخلاق اور تصوف بھی شامل تھے۔ یہ سچ ہے کہ مثنوی نگاری میں ہر طرح کے مضامین اور موضوعات کے لئے بڑی وسعت اور کشادگی ہے۔

قدیم مثنوی نگاروں نے رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ، اور صوفیانہ موضوعات کو صنفِ مثنوی میں جگہ دے کر بہت اونچا اٹھایا ہے۔ بالخصوص اس صنف کی لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، جیسی طویل مثنویاں آج بھی بے حد مشہور ہیں۔

یہ بھی ایک سچائی ہے کہ فارسی زبان کی بہت ساری مثنویوں کا دکنی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادبِ اردو کی جلد دوم میں شاہ برہان الدین جانم، عبدل، مقیمی، حسن شوقی رستمی، نصرتی اور ہاشمی کی مثنویوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان مثنوی نگاروں کو سلطنت کے رنگارنگ پھول سے تعبیر کیا ہے۔

قطب شاہی دور کے شعراء کی مثنویوں سے متعلق مولوی نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے کہ اس دور کی مثنویوں میں فرضی قصے ہوتے تھے جو فارسی کے ترجمے کی صورت میں منظرِ عام پر آئے۔

عادل شاہی دور کی مثنویوں میں دکنی شاعری کی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ نصرتی کی مثنوی گلشنِ عشق اور مثنوی علی نامہ کی بہت زیادہ پذیرائی ہوئی۔ مثنوی گلشنِ عشق کو 1972ء میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے ترتیب دے کر شائع کیا۔ پروفیسر عبدالقادر سروری نے ''اردو مثنوی کا ارتقا'' میں لکھا ہے کہ ''اردو میں جتنی مثنویاں دھلی اور لکھنو میں لکھی گئیں ان سے بہت زیادہ اہم ترین مثنویاں صرف ایک سو سال کے عرصے کے اندر اندر دکن میں تصنیف ہوئیں۔''

یہ سچ ہے کہ جنوبی ہند کی مثنویوں میں انسانی زندگی کے اخلاقی پہلوؤں پر سب سے زیادہ توجہ دی گئی لیکن شمالی ہند کی اکثر مثنویاں جنسیاتی لذت کشی کے بھنور کے اطراف چکر لگاتی ہیں۔ اس کی مثال قریشی بیدری کی مثنوی ''بھوگ بل'' (جو جنسیات کے موضوع پر ہے) میں ملتی ہے۔

جہاں تک راقمہ کا خیال ہے کہ جنوبی ہند میں بالخصوص والا جاہی دور کی مثنویاں پاکیزہ اخلاقیات اور تصوف کے ساتھ ساتھ حسن و عشق اور وصال و ہجر کی غماز بھی ہیں۔ مثنوی کا موضوع کچھ بھی ہو، صحت مند اظہار ہی شعر و ادب میں آفاقی سمتوں کا ضامن ہوتا ہے۔

جنوبی ہند کے اکثر شعراء نے تین تین چار چار پانچ پانچ مثنویاں اردو ادب کو دی ہیں۔ راقمہ یہ کہے گی کہ والا جاہی دور کے شعراء مثلاً شاہ تراب ترنا ملی، مولانا سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری، ولی فیاض ولی ویلوری، مولانا باقر آگاہ ویلوری، مولانا ذوقی ویلوری، نواب عزالدین نامی آرکاٹی، مذنب آرکاٹی، مرغوب ترچناپلوی، نادر آرکاٹی، مولانا امانی پلی گنڈوی، مولانا شاکر وانمباڑی، مولانا مستعان علی مستعان، حضرت عظیم آمبوری، حضرت کاوش بدری، مولانا سالک نائطی کی مثنویاں مدراس ٹمل ناڈو کے اردو ادب کی آبرو بن کر منظرِ ادب پر آئی ہیں جن کا تفصیلی ذکر راقمہ کی حالیہ کتاب ''تاریخِ شعر و ادب شمالی آرکاٹ'' مطبوعہ 2019ء میں موجود ہے۔

مسرت اس بات کی ہے کہ ٹمل ناڈو کے مشہور و معروف شاعر مولانا شاکر وانمباڑی کی مثنوی ''چندر بدن مہیار'' کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اکبر الدین صدیقی اور ڈاکٹر حمید اللہ ندوی نے مقیمی کی ''مثنوی چندر بدن مہیار'' کے اشعار کا مقابلہ اور موازنہ بڑے عالمانہ انداز میں کیا ہے۔

ڈاکٹر سعیدہ جعفر نے شاہ تراب ترنا ملی کی مثنوی ''من سمجھاون'' کو اپنے بسیط مقدمے اور مفید حواشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی اور ڈاکٹر محی الدین قادری زور اور رام بابو سکسینہ نے ولی ویلوری کی مثنوی ''روضہ الشہد'' کو اپنی پسندیدہ اور معرکہ آراء مثنوی قرار دیتے ہوئے اسے سراہا اور ولی ویلوری کی شاعرانہ خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔

ڈاکٹر محمد علی اثر نے غوثی آرکاٹی کی مثنوی ''ریاضِ غوثیہ'' کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مثنوی مولانا روم کی راہ پر چل کر لکھی گئی۔

مولانا باقر آگاہ ویلوری نے گیارہ مثنویاں اردو ادب کو دیں۔ رسالۂ عقائد، تحفۃ النساء، ہشت بہشت، محبوب القلوب، ریاض الجنان، تحفۃ الاحباب، فرید در فوائد، گلزارِ عشق، روضۃ الاسلام، خمسہ متحرہ، اوج آگاہی، روپ سنگار ہیں۔ ان تمام مثنویوں کے نسخے India Office Library, London میں موجود ہیں اور چند ایک نسخے انجمن ترقی اردو، لاہور کے کتب خانے کے مخزونہ ہیں۔

مولانا باقر آگاہ کی دکنی مثنویوں کا اہم پہلو یہ ہے کہ موصوف نے عربی اور فارسی الفاظ کی جگہ ہندی اور برج بھاشا کے الفاظ کو بہت زیادہ فوقیت دی ہے۔ ان تمام مثنویوں کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ ان تمام مثنویوں میں مقدمے بھی موجود ہیں جو موصوف کے اولین نقاد ہونے کا بہترین جواز پیش کرتے ہیں۔ حضرت علیم صبا نویدی نے ان تمام مقدموں کو کتاب ''اردو ادب کا اولین نقاد'' میں پیش کیا ہے۔

نواب اعیمہ آرکاٹی کی چار مثنویاں "گلبنِ مہ رخاں، گلشنِ مہوشاں، گلشنِ شاہداں اور گلشنِ عاشقاں ہیں۔ مثنوی گلشن مہوشاں کا مولوی سخاوت مرزا نے اپنے ایک مضمون میں میر حسن کی "سحر البیان" سے تفصیل کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا ہے اور اس مثنوی کے خوبصورت اشعار بھی نمونتاً پیش کیے ہیں اور اعیمہ آرکاٹی کی زبان و بیان کی بے پناہ قدرت کا اعتراف کیا ہے۔

نواب غلام اعز الدین خان نامی کی مثنویوں سلیمان نامہ، نو بہارِ عشق، بہارستانِ عشق، مدینۃ الانوار بہ موسوم وفاتِ نبی کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر سجاد حسین نے کہا ہے کہ نامی کی تمام تر مثنویوں کی زبان سلیس اور پیرایۂ بیان پُر لطف اور دلکش ہے۔ ایجاز و اختصار کا خاص جوہر ان کی مثنویوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر پروین فاطمہ نے لکھا ہے کہ نواب تجمل حسین خان ایمان گوپاموی نے اپنی مثنوی "اشتیاق نامہ" میں کوئی قصہ یا واقعہ بیان نہیں کیا ہے بلکہ موصوف نے اپنا حالِ زارِ عشق رقم کیا ہے۔ اس مثنوی میں جہاں تشبیہات اور دیگر صنائع کا استعمال نہیں کیا گیا ہے، وہیں اشعار میں روانی بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثنوی کی شروعات میں "ساقی نامہ" نہایت رنگین اور عمدہ ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم تماپوری نے "عہدِ خداداد کا ادب" میں سیّد شاہ محمد آرکاٹی کی مثنوی "خزانہ معرفت" کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مثنوی تصوف کے ساتھ ساتھ اسرار و معرفت کے اطراف چکر لگاتی ہے۔ پھر اسی مثنوی پر انتقادی نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ شاہ محمد آرکاٹی کی شاعری کا مطالعہ کرتے وقت زبان کی کم مائیگی اور قدامت پسندی کا شدت سے ہوتا ہے۔

حضرت کاوش بدری کی مثنوی "مثنوی قبلہ نما" مطبوعہ 1965ء کو نہ صرف فراق گورکھپوری، نیاز حیدر، نیاز فتح پوری اور جمیل جالبی نے سراہا ہے بلکہ موصوف کے اس شعری سفر کو کارنامہ فکر و فن قرار دیا ہے۔

بہ حیثیتِ مجموعی ٹمل ناڈو (مدراس) کی یہ تمام مثنویاں والا جاہی دور کی نہ صرف یادگار ہیں بلکہ ایک تاریخی کارنامہ کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ مرحوم کاوش بدری کی مثنوی کے بعد 1970ء میں مرحوم عظیم آمبوری نے مولانا شاکر ناطقی کی معیت میں ایک طویل مثنوی "رودِ کاویری" لکھی تھی جو بقولِ حضرت علیم صبا نویدی یہ مثنوی پروفیسر یوسف کوکن کے صندوق میں بند ہو کر دم توڑ کر رہ گئی۔ اسی طرح مولانا سالک ناطقی اور کاظم ناطقی کی مثنویاں بھی اپنی اشاعتی منزل تک رسائی نہ حاصل کر سکیں۔ دکھ اس بات کا ہے کہ ٹمل ناڈو کے اہم ترین شعراء کا کلام ناقدریٔ احباب اور جاہلانِ اردو ادب کے گھروں میں دیمک کی خوراک بن کر رہ گیا ہے۔ افسوس صد افسوس۔

شریف مدراسی نے بہت خوب کہا ہے کہ:

مدراس سا ناقدر کوئی شہر نہیں

دست صبا کے گجرے

دست صبا کے گجرے

دست صبا کے گجرے

ثنائے قلم

اور راوی نے کہا
غزل کا نا خدا قلم
ازل سے ساتھ تھا قلم
وہ کب رہا قلم کے بن
رقمطراز رات دن
ان انگلیوں سے پھوٹتی
جو آگہی ہے چھوٹتی
شعور و فکر کو صلہ
انہیں ضیاؤں سے ملا
جو کرنا چاہو سر قلم
تو اس سے چھین لو قلم
قلم کا جانشیں صبا
قلم کے بن نہیں صبا

گھرانہ

گھرانہ قادری بھی ہے
تو چشتی سنجری بھی ہے
تھے پدر غوثؔ بادشہ
تو والدہ شرفؔ النساء
امین الدین شطاری کا
نبیرہ خاص علیم تھا
تھیں سب عظیم ہستیاں
ولایتوں کی کہکشاں
چراغِ سیّدی ہیں سب
ایاغِ بعیتی ہیں سب
بنا بالآخرش نوید
صبا رفیعی کا مرید

اور راوی نے کہا

نورانی صحبتیں

رفیعیؔ کی ہیں صحبتیں
جو بخشیں اُس کو رفعتیں

تھے آمرِ کلیمیؔ بھی
اور احمدِ گلیمیؔ بھی

رسائیء نوید میں
تجلیّاتِ دید میں

تھے بزرگانِ تاج پور
نگاہِ معرفت کے نور

ترابؔ و ٹیپوؔ، ناصریؔ
کی سب نے اُس کی رہبری

زبیر سے تھی ہمدمی
اور اشرفؔ و ضیاؔ سے بھی

لڑکپن اور جوانی کے درمیاں

لہو میں تھیں حرارتیں
رگوں میں تھیں شرارتیں
اٹھان میں شباب تھا
پسینہ بھی گلاب تھا
مہکتی سانس سانس میں
ہمک تھی آس پاس میں
اُبلتی وہ جوانیاں
مچلتی چھیڑ خوانیاں
نگاہوں کے اشارے تھے
بھڑکتے استعارے تھے
نہ لمحہ بھر قرار تھا
وہ پہلا پہلا پیار تھا

اور راوی نے کہا

پہلا معاشقہ

کھلنڈرا تھا بچپنا
لڑکپن اُس کا مدبھرا
مگن تھا کھیل کود میں
تھی تربیت حدود میں
جوانی آئی اُس پہ جب
ستم ہی ڈھا گئی غضب
معاشقہ بھی اک کیا
سکول کا ہے واقعہ
پرائی رضّو ہوگئی
بچھڑ کے دور کھو گئی
اُداسی اُس کی دیکھ کر
بھر آگیا دلِ پدر

اور راوی نے کہا

رومانی سفر

وہ کیا عجیب دور تھا
صؔبا نہیں تھا اور تھا
تھاگم کسی خیال میں
جمیؔلہ کے جمال میں
اُڑ کے آگیا تھا دل
فریب کھا گیا تھا دل
نہ ہوش تھا لباس کا
پتہ نہ آس پاس کا
جدھر اُٹھے نظر وہ تھی
پر اُس سے بے خبر وہ تھی
وہ مل کے بھی نہ مل سکی
کلی نہ دل کی کھِل سکی

اور راوی نے کہا

کرب بے وفائی

ہوا یوں رائے مشورہ
جواں ہوا ہے چھوکرا
نہ چھوٹ جائے ہاتھ سے
بیاہ اُس کا کردیں طے
مجیبؔ بن کے دلہن آئی
جنائی اُلجھنیں ہی لائی
میں چھوٹے گھر کا نوشہا
وہ اونچے گھر کی دوشیزہ
''نہ رہ سکونگی میں یہاں''
''تم اپنا چھوڑ دو مکاں''
میں ماں کو کیسے چھوڑتا
دُلارا پیارے باپ کا

زخم جدائی

سنی اٹل جو میری بات
مجیب نے چھڑایا ہاتھ
چلی وہ منہ کو موڑ کر
صبا کو سوتا چھوڑ کر
یہ پہلا کاری زخم تھا
مجھے مجیب نے دیا
وہ یار تو بچھڑ گیا
جدا نہ دل سے ہو سکا
فسانوں میں ڈھلا یہ گھاؤ
قلم نے کھیلا ایسا داؤ
فسانوں کی کتاب سے
جڑی وہ انتساب سے

اور راوی نے کہا

نمائشی عورت

وہ پیار تھا نمائشی
خمار تھا نمائشی
تبسم اُس کا مجلسی
تکلم اُس کا مجلسی
دکھاوے کا وہ پیار تھا
شبوں کا اک سنگھار تھا
فریب تھیں محبتیں
غرض پرست چاہتیں
وفا کے نام پر دغا
مجیب نے یہی دیا
غرض پرست اُس کا پیار
مجیب سے گیا وہ ہار

اور راوی نے کہا

شکست کی آگ

اُس ایک واردات نے
وہ قلبی حادثات نے
لے آگیا دوراہے پر
ہوا یوں ذہن منتشر
بکھیر کر ہی رکھ دیا
شکستہ چور آئینہ
دکھایا جھلسے روپ کو
غموں کی اوڑھے دھوپ کو
صباؔ اکیلا ہوگیا
لو ختم میلا ہو گیا
مجیبؔ نے دیا جو زخم
کیا اُسے بہ شکل نظم

غبارِ دل

یہ گرد غم غبارِ دل
بنا گیا مزارِ دل
گو زخم سے تھا چور چور
بنا فسانوی سرور
سرور فن میں ڈھل گیا
علیمؔ اک جو شخص تھا
صباؔ نویدی بن گیا
سخن سے ایسا جُڑ گیا
خود آپ سے بچھڑ گیا
قلم کو رکھ لیا جتن
پہن کے کاغذی کفن

اور راوی نے کہا

آمد سعیدہ

بیاہ اُس کا دوسرا
دولہن سعیدہؔ سے ہوا
مٹا کے ساری فرقتیں
دیں اُسکو ایسی قربتیں
تمام گھاؤ بھر گئے
دیئے تھے جو مجیبؔ نے
حیاتِ نو کا دوسرا
وہ منظرِ حسین تھا
صباؔ کے ذہن و فکر کو
سعیدہؔ نے ہے بخشی ضُو
وہ اُس کی غمگسار بھی
تھی اُس کی یارِ غار بھی
اور راوی نے کہا

سوغاتِ ربّی

شکستہ دل کی اک دعا
خدا نے سن کے کی عطا
گود اُس کی بھر دی بیٹی سے
اک اُجلی ننھی گڈی سے
جو بن کے آئی جاویدہ
جگا کے بختِ خوابیدہ
وہ گھر کا نور بن گئی
نویلی حور بن گئی
یوں بیٹی اور ماں کے سنگ
صباؔ کے فن میں آیا رنگ
بنا وہ شاعرِ جدید
علیم سے صباؔ نوید

اور راوی نے کہا

آزمائش سخن

کمال مشق ہے یہی
مثال عشق ہے یہی
کہ بن کے اہلِ چینئی
کرے جو اردو شاعری
کھلا کے گل جو سنگ میں
ڈھلا جدید رنگ میں
غزل کیا حمد و نعت کیا
وہ رزمیہ کہ نظمیہ
وہ دوہا ہو کہ ہو بھجن
سبھوں پہ آزمایا فن
ستائش و صلے کے بن
سنوارا فن کو رات دن

ہم عصریں

سراجؔ و سالکؔ و حسنؔ

تھے اس کے ساتھ ہم سخن

وہ کیفیؔ اور کاظمی

رہی سبھوں سے ہمدمی

وہ ذوقیؔ ساحلؔ ونیازؔ

وہ اشرفؔ اسلمؔ اور رازؔ

وہ نورؔ و زاہدؔ و نثارؔ

تھے بزم نو کے شاخ سار

مزاح وطنز کا وقار

ہے بے دھڑکؔ کا بھی شمار

یہ سب ہیں شعراء وانمی

تو کاوشؔ ان میں آمبوری

اور راوی نے کہا ۔

چینئی کے ہم عصریں

ہیں شاہد، ببر علی
تغزلات کے دھنی
عبید رحماں اور سجاد
کیئے بخوبی انعقاد
مشاعرے و سی مینار
ادب کو بخش کر وقار
جلا کے فن کی مشعلیں
غزل کو بخشیں محفلیں
ہیں ماہر و صدا بھی خوب
سراج و دولت و ایوب
فدا رضا الآمری
اور آبرو و حنیف بھی

اور راوی نے کہا

اردو کا سنگلاخ سفر

کہاں یہ شہر چینئی
کہاں پھر اردو شاعری
ٹمل یہاں کی ہے زباں
اک اردو کا وہ پاسباں
ہیں قدردان اردو کم
نہ پالا پھر بھی اس کا غم
رواں دواں رہے قدم
لہو میں ایسا جوش تھا
رگوں میں بھی خروش تھا
اساتذہ کا ہے کرم
بنا کے صاحبِ قلم
نویدی فن کو دی جلا
صبا کو بخشا ہر صلہ

اور راوی نے کہا

جدت طرازی

غزل میں اُس نے جو کہی
حقیقت اُس کی ہے یہی
ہتھیلیوں میں کاغذی
ولادت اُس کی ہے ہوئی
عجب گھڑی تھی وہ گھڑی
جدید رنگ سے جڑی
عبارتیں نئی نئی
اشارتیں نئی نئی
قبائیں فکر کی نئی
ردائیں نثر کی نئی
یہ استعاروں کی فضا
کہاں سے لاتا ہے صبا

اور راوی نے کہا

شعری کاوشیں

یہ اُس کی شعری کاوشیں
یہ نت نئی نگارشیں
یہ منفرد خصوصیت
کلام میں جدیدیت
یونہی نہ ہاتھ آئی ہے
ریاضت انتہائی ہے
حوادثوں کو روند کر
مشاہدوں کو گوند کر
خمیر اٹھا ہے فکر کا
جدید نظم و نثر کا
خدا گواہ یہ صلہ
خودی میں ڈوب کر ملا

اور راوی نے کہا

نقش گری و فکر بری

وہ طرحِ نو کا ہم سفر
وہ نقش گیر و فکر بر
فسانے میں بھی اعتکاف
کیا شگاف در شگاف
ہیں ندرتوں کی وادیاں
غزل میں بھی آزادیاں
لکھے ہیں ترسیلے کئی
ہیں نظمیں ہائیکو کبھی
یہ اُس کے فن کی کائنات
یہ تصنیفات و تحقیقات
کہی ہے نثر غزلیہ
سانیٹ بھی نعتیہ

اور راوی نے کہا

مشق و مشقیں

جو حادثات جھیلے ہیں
جو پاپڑ اُس نے بیلے ہیں
اذیتوں کا ہے سفر
مشقتوں کا ہے ہنر
کہاں یہ سب کو راس ہے
کسی کسی کے پاس ہے
ودیعتِ خدائی ہے
کہاں یہ سب نے پائی ہے
کہ پانے کو حیاتِ نو
جیا ہے اُس نے موت کو
رُکا نہ اُس کا تا قضا
اشاعتوں کو سلسلہ

اور راوی نے کہا

انفرادی لہریں

کبھی تو بن کے ہم سخن
ہنساتی ہنستی انجمن
لُبھا گیا ہزاروں کو
ادب کے جانثاروں کو
ہیں قائل اس کے شمسؔ بھی
تو گوپی چند نارنگ
ہیں راہیؔ و علی آثرؔ
مورّخ اور خاکہ گر
کئی ہیں اُس کے ناقدیں
مبصر و مفسریں
سبھی کا کہنا ہے بجا
ہے سب سے منفرد صباؔ

وضع قطع

لباس مغربی سہی
صفات مشرقی رہی
کہ بونے قد میں بھی ہے دم
کلہ ہے سر پہ سر ہے خم
ہے گو سراپا مختصر
یہ ملتا ہے اُٹھا کے سر
فدا ہیں اُس پہ باگ لوگ
ہے ہاتھ میں جو ایسی باگ
یہ دشتِ فن کا شہسوار
نئی جہت کا پاس دار
عجب وہ فن کا نا خدا
بھنور کو اوڑھ کر اُٹھا

ظاہر و باطن

وہ دل شکستہ ہی سہی
مگر ہے رُخ پہ دلکشی
ہیں دل میں غم کی آہٹیں
لبوں پہ مسکراہٹیں
وہ مردِ حق مآب ہے
بجا کُھلی کتاب ہے
کہو اے راویو اُسے
پڑھو اے قاریو اُسے
لکھو سخن ورو ابھی
سراپا ہے وہ مثنوی
جو دل سے ٹوٹ جائے گا
وہ پھر نہ ہاتھ آئے گا

اور راوی نے کہا

گھر کا پیر

بجا کسی نے ہے کہا
ہے پیر گھر کا مسخرا
ہے شہرہ ہندو پاک میں
پڑا ہوا ہے خاک میں
ملال و حزن کے سوا
دیا ہے دوستوں نے کیا
اُتار نے کو جو گلہ
گلے لگاتے ہیں سدا
مگر یہ شخص با خدا
قلندری صفات کا
یوں جہد و جد پہ اڑ گیا
تلاطموں سے لڑ گیا

اور راوی نے کہا

عزائم

دلوں میں جوخودی کے بل
جو عزم رکھتے ہیں اٹل
ڈرے نہ حادثات سے
مرے نہ سانحات سے
چلے گی حاسدوں کی کیا
بنے گی ناقدوں کی کیا
حریفوں نے دکھائی چال
مگر گلی نہ اُن کی دال
تھا من کا پنچھی من چلا
جو تنہا کھیلتا چلا
جھکا بھی ہے تو بر ملا
وہ بن کے آسماں جُھکا

اساتذہ

صبؔا کی نیو جب پڑی
تھا چنتیؔ میں اُس گھڑی
ادیبوں شاعروں کا گڈھ
تھے عادلؔ اُس شجر کی جڑ
تھے دانشؔ ایسے ہمہ داں
تو راجیؔ فن کے پاسباں
سب علم و فن سے سرفراز
عزیزؔ رازؔ امتیازؔ
ضیاؔ و آثمؔ وگلابؔ
تھے سب یہ چڑھتے آفتاب
حیاتؔ و کاوشؔ و ادیبؔ
سروشؔ و سالکؔ و حبیبؔ

اور راوی نے کہا

دورِ ترقی پسند ادب

تھے عؔبد و فرؔحت و اؔثر
شعورِ فن کے تاجور
انہیں کی صحبتوں نے دی
صؔبا کے فن کو روشنی
اُسی دم اک لہر چلی
ترقئی پسند کی
چند اس میں جا کے ڈھل گئے
لگا کے نعرے پل گئے
اشارتوں کی لہر سے
علامتوں کے شہر سے
نکالے بال و پر نئے
میاں صؔبا نویدی نے

اور راوی نے کہا

مطالعے و مشاہدے

مطالعوں کے شوق نے
مذاکروں کے ذوق نے
صباؔ میں رنگ بھر دیا
عجب ترنگ بھر دیا
نہ اُترا حد کے نیچے وہ
نہ دیکھا مڑ کے پیچھے وہ
کتابیں اَن گنت لکھیں
مگر کہیں نہیں بکیں
اکیڈمی اور اداروں نے
تو ہاتھوں ہاتھ انہیں لئے
ہوا صباؔ یوں نامور
کتابیں مفت بانٹ کر

فرد غیر مقلّد

ہوا ہے اکثر ایسا ہی
چلے ہیں چھاپ پر کئی
نقوش پایہ میرؔ کے
تو غالبؔ و نظیرؔ کے
مجازؔ و فیضؔ و جوشؔ کے
مگر صباؔ نے ہوش کے
نکالے بال وپر نئے
جدید نظم و نثر کے
لیا نہ قصّہ مختصر
کسی کی چھاپ کا اثر
پُرانے دھارے موڑ کر
نکالی اک نئی لہر
اور راوی نے کہا

شرر فشاں جن

سدا انوکھی سوچ میں
نئے افق کی کھوج میں
وہ سر گراں ہے آج بھی
سخن فشاں ہے آج بھی
نہ ظرفِ فن چھلک سکا
قلم نہ اُس کا تھک سکا
اشاعتوں کی راہ میں
خسارے بھی اُٹھائے ہیں
کیا اور اُس کے مشغلے
اشاعتوں کے سلسلے
نجانے اُس میں کون جن
شرر فشاں ہے رات دن

اور راوی نے کہا

حبیب اردو

یہ محفلوں کے سلسلے
یہ مجلسوں کے رت جگے
ہیں ڈھائے اُس پہ ظلم بھی
قرار پائے جرم بھی
نویدؔی ہی کا ظرف ہے
نہ آیا اُس پہ حرف ہے
نویدؔی کے وقار پر
خودی کے اختیار پر
کہاں ملا نہ اُس کو آج
حبیبِ اردو کا خراج
شمال میں بھی اُس کا نام
جنوب میں بھی بہر گام

ایوارڈ کے سلسلے

لیا ہے میرؔ ایوارڈ بھی
تو غالبؔ ایوارڈ بھی
جمیل شرفیؔ ایوارڈ
تو راجیؔ صدیقی ایوارڈ
وہ ٹیپوؔ و بسملؔ ایوارڈ
وہ خسروؔ و اقبالؔ ایوارڈ
وہ سر سید ایوارڈ کا
بھی مستحق ہوا بجا
خراجِ باقرؔ آگہ سے
فن اُس کا سرفراز ہے
ایوارڈ اتنے پا کے بھی
ہے سادہ اُس کی زندگی

اور راوی نے کہا

خراج غالب دھلی

وہ لا یا سفر کا راہیہ
سفر پہ جب نکل پڑا
کبھی تو پٹنہ و بہار
کبھی وہ آگرے کے دوار
ہزاری باغ جب گیا
کھلایا غنچہ نت نیا
گیا جو شہر لکھنؤ
وہ بانٹ آیا فن کی ضو
دکن میں گھوم آگیا
مچا کے دھوم آگیا
ایوارڈوں سے بھرا ہے گھر
کتابوں سے بھی سر بہ سر

اور راوی نے کہا

اعتراف خدمات

ادب کے نام بہر گام
جنوب کو دیا مقام
تواریخِ ادب لکھی
تو بن گئی ضخیم بھی
سمیٹے سارے موضوعات
جوں شاخِ آہو پر برات
ہر اک کا ذکر اُس میں ہے
نگارِ فکر اُس میں ہے
ہیں سارے شعراء من و عن
ورق ورق میں ضو فگن
کیا ہے اک جہاں نے صاف
صباؔ کا قلمی اعتراف

تبسّم و تکلّم

کتابیں اسّی سے سوا
چھپی ہیں اُس کی باخدا
سخنوری کے تجربے
نئے نویلے تجزیئے
اُگائی فن کی کونپلیں
مکاشفاتی ذات میں
بنی ہے ردِّ کفر بھی
بر آئی بن کے فکر بھی
ثباتِ تجربہ بنی
حیاتِ ارتقا بنی
تکلّم اُس کا نظم بار
تبسّم اُس کا زار زار

اور راوی نے کہا

بانسری کا زخم

شعور کی غذا ہے زخم
تصوف اور کیا ہے زخم
ظہور کی نوا ہے درد
سرور کی صدا ہے درد
ہیں بانسری میں چھید کیوں
کھلا یہ ہم پہ بھید کیوں
صؔبا کے زخم بھی یونہی
بنے نوائے شاعری
ملال و حزن کا نکھار
غزل کی بن گیا بہار
پہ ناقدوں کو کیا پتہ
سراپا زخم ہے صؔبا

اور راوی نے کہا

بھاگ دوڑ

ہے چھاپے خانے پر عیاں
سب اُس کی کوچہ گردیاں
دِوانگی کی دوڑ پہ
یگانگی کی موڑ پہ
بنا وہ قیسِ فکر و فن
بنا کے لیلیٰ سخن
ہے محو اپنی ذات میں
سراپا کائنات میں
ہے اُس کے پست قد میں بھی
اُفق رسا قد آوری
سمٹ کے سائباں ہوا
بکھر کے آسماں ہوا

دیوانگی

ہیں خواب اُس کے لا سفر
تو نیندیں اُس کی مختصر
دیا ہے دل کو ضرب بھی
اکیلے پن کا کرب بھی
گو ہے سراپا خلوتاً
اکیلے پن کی انجمن
شبوں کو جاگتا ملا
تو دن میں بھاگتا ملا
کہ گردشوں کو اوڑھ کر
حدیں تمام توڑ کر
بڑھاپہ میں بھی من چلا
دوانہ وار چل پڑا

کاسۂ صبآ

یہ لا سفر دِوانگی
یہ بےڈگر یگانگی
ہے ضیق النفس کا شکار
چڑھے ہے دم بھی بار بار
مگر نہیں رُکے قدم
رواں دواں ہے دم بہ دم
جواں ہے رقصِ شاعری
تواں ہے اسپِ آگہی
مزاج بلغمی سہی
متاعِ فن سے کب تہی
رہا ہے کاسۂ صبآ
نگارِ خانۂ صبآ

سفیرِ آسمان

کہ کم سند سہی صؔبا
ہے چلتا پھرتا جامعہ
ہے لائبریری کونسی
ہے کون یونیورسٹی
صؔبا کے جن میں فن کے نام
ہوا نہ تحقیقاتی کام
جو بن کے لکچرر گئے
پی ایچ ڈی اُس پہ کر گئے
کئی بنے پروفیسر
نویدی فن کے دین پر
ہے سچ رفیعی کا بیاں
وہ ہے سفیرِ آسماں

اور راوی نے کہا

اُنگلیاں

عجب ہیں اُس کی اُنگلیاں
ضیا اُگلتی اُنگلیاں
غزل شکار اُنگلیاں
جگر فگار اُنگلیاں
نچوڑی کتنے رنگ رس
قدم قدم نفس نفس
گلوں میں ڈھل گئی کبھی
لہو میں تر ہوئی کبھی
لیا ہے اُنگلیوں سے کام
جلا کے خونِ دل تمام
خوشا و مست اُنگلیاں
قلم بدست اُنگلیاں

محویت

ہیں پہلوئے صبا کئی
ہر اُس کی جہت بھی نئی
مچی ہے کیا وہ کھل بلی
ہے دل میں کیسی بے کلی
نجانے کون منتظر
فلک فلک ڈگر ڈگر
چراغ فن کو بخشی لو
دلوں کو دے رہی ہے ضُو
ازل سے ملکۂ سخن
ہے ساتھ اُس کے غالباً
جو سوتے اُٹھتے ہر گھڑی
دماغ میں ہے شاعری

نائب فن جاویدہ حبیب

گھر آنگن ادبی اُس کا ہے
گھرانہ علمی اُس کا ہے
تھی گھر ہی میں شعاعِ فن
تھی ورثے میں متاعِ فن
نہ آگے پیچھے کوئی ہے
بذات نظم گوئی ہے
خود اپنے پاؤں پر کھڑے
صؔبا نے پائے مرتبے
جو تادم حیات ہے
تو جاویدہ کا ساتھ ہے
اشاعتوں کی راہ پر
ہے بیٹی اُس کی ہم سفر

مشیر کار

بساط کیا نویدی کی
من آنمی کہ دائمی
تھے ہم رکاب بر سخن
وہ کوکنؔ و محبوبؔ من
وہ حیدری و سرمدؔی
وہ نجمؔ بھی مختارؔ بھی
صفیؔ وحیدؔ اشرفؔی
حبیبؔ کی بھی دوستی
نیازؔ کی بھی ہمدمی
اسے نصیب سے ملی
جو سب سے لا جواب تھے
وہ فدوؔی و وہابؔ تھے

اور راوی نے کہا

نصابی سفر

سدا رہے یہ مشغلے
خطوط اور مراسلے
نصاب ہے وہ کونسا
صؔبا نہ جس میں ڈھل سکا
عیاں ہے ہر کتاب میں
نمایاں ہر نصاب میں
غزل اُسی کی ہے چھپی
نصابِ جامعہ میں بھی
ہیں بالکوں کی پُستکیں
دلوں کو دیتی دستکیں
صؔبا گو پست قام ہے
قدآوروں میں نام ہے

انکشاف

یہ معجزے سے کم ہے کیا
جہاں ٹمل کی ہو فضا
وہاں ہیں ایسے اردوداں
غزل گو اور نغمہ خواں
شمالیوں کو ہو خبر
دکن میں ایسے ہیں گہر
نہیں ہے اُن میں کوئی کم
نگارِ اردو کی قسم
زبان اور بیان میں
سخن کے امتحان میں
کمال فن نہیں کوئی
جو کر دکھائے شاعری

اور راوی نے کہا

جنوب کے رتن

صبؔا کی ہر کتاب میں
سبھی سنہرے باب میں
جنوبی ہند میں بھرے
ہیں کتنے ہم سخن کھرے
دکن میں کتنے ہیں رتن
سخن نواز و اہلِ فن
کیا ہے سب کا انکشاف
سبھی کے فن کا اعتراف
جلا کے تحقیقات کا
چراغ تصنیفات کا
کیا فروزاں بے گماں
شمالی ہند پہ عیاں

مدعائے آخری

صعوبتوں کو جھیل کر
اذیتوں سے کھیل کر
رکھا ہے اردو کا بھرم
بھرا جنوب کا ہے دم
جو مر چکے تھے جیتے جی
بکھر چکے تھے جیتے جی
انہیں بھی یکجا ہے کیا
مرے کو زندہ کردیا
صباؔ کا ہے یہ معرکہ
خدا نواز معجزہ
یہی دعا ہے دم بہ دم
نہ چھوٹے ہاتھ سے قلم

حسرت آخری

ہے ایک حسرتِ آخری
میاں صبا نویدی کی
لکھے صحیفۂ ادب
ضخیم جو بنے کتب
لو وہ بھی آج چھپ گیا
اور اجراء ہو کے بٹ گیا
تمام ہند پاک کے
پڑھیں بغور سب اُسے
ادب کے سارے شائقیں
تمام اُس کے قارئیں
ہے اُس کے جب تلک قریب
دُلاری جاویدہ حبیب
تھکے گا وہ کبھی نہیں
وہی ہے اُس کی جانشیں

اور راوی نے کہا

منزل لا سفر

کہاں وہ مثنوی کہاں
ہے ٹوٹا پھوٹا اک بیاں
نہ کچھ ہے خود ستائی بھی
نہیں ہے خود نمائی بھی
خود اپنا خاکہ کھینچ کے
کیا ہے مثنوی اُسے
اس امتحانی ذات میں
بدن کے پل صراط میں
رواں دواں ہے رات دن
غزل فشاں ہے رات دن
جو سمجھیں آپ ہے بجا
یہ مثنوی کہ مرثیہ

اور راوی نے کہا

''صنفِ مثنوی اور علیم صؔبا نویدی''

ڈاکٹر جی امتیاز باشاہ (چیرمین انجمن فروغ اردو، وانمباڑی)

اصنافِ سخن میں مثنوی سب سے قدیم صنف ہے۔ ایران کے فارسی ادب میں مثنوی کا سب سے زیادہ بول بالا ہے۔ رومؔی، عرفؔی، خیاؔم اور حافظؔ کی مثنویاں بھی اس کی قابل ذکر مثالیں ہیں۔

ہندوستانی اردو ادب میں مثنویوں کا رواج غالباً اردو غزل کے ساتھ ہی ہو چکا تھا۔ فارسی میں امیر خسرو سے عبدالقادر بیدل تک اور اردو ادب میں سوداؔ، میرؔ، انشاؔء، مصحفؔی، میرؔ حسن اور داغ کی مثنویاں منظرِ عام پر آ کر آفاق گیر شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ مندرجہ بالا مثنوی نگاروں نے آپ بیتی کم جگ بیتی کو اپنی مثنویوں میں زیادہ محیط کیا ہے۔ میرؔ اور سودا نے آپ بیتی کہی ہیں جس میں سوداؔ کا ''گھوڑا'' اور میرؔ کا ''گھر'' اس کی روشن مثالیں ہیں۔ میر حسن اور اور انشاؔء کی مثنویاں پری زاد طلسمی کہانیوں کو جنم دیتی ہیں۔ نصرتی، وجہی اور قلی قطب شاہ معانؔی نے بھی مثنویاں کہی ہیں جن کے موضوعات تہوار، بسنت بہار اور محرم و معرکۂ کربلا ہیں۔

زیرِ مطالعہ مثنوی ''اور راوی نے کہا'' حضرت علیم صؔبا نویدی کی علمی، ادبی اور شعری اُڑانوں میں یقیناً مختلف ہے اور یہ مثنوی ان کی اپنی آپ بیتی کا نچوڑ بھی۔ حضرت موصوف نے اپنی ادبی، خانگی، تحقیقاتی، تخلیقاتی اور تصنیفاتی معرکوں کی جو صورت گری کی ہے وہ اُن کی قابل فخر اور بے مثل صلاحیتوں کا کی آئینہ دار ہے۔

یہ مثنوی یقیناً اردو ادب کی تاریخ کا نہ صرف حصّہ بنے گی بلکہ ان کی شعری سرمایہ میں اضافے کا باعث بھی ثابت ہوگی۔

اِشاریہ

بے دھڑک۔ الطاف حسین بے دھڑک
کاوش۔ حضرت کاوش بدری

صفحہ نمبر 20: چنئی کے ہم عصرین:

شاہد۔ شاہد مدراسی (سیّد شاہد مدراسی)
ببرعلی۔ میر ببر علی ببرؔ
عبید رحمان۔ پروفیسر عبید الرحمٰن احساس
سجاد۔ پروفیسر سید سجاد حسین
ماہر۔ فخر الدین ماہر مدراسی
صدا۔ سیّد صدا آمری
دولت۔ دولت مدراسی
ایوب۔ ایوب مدراسی
فدا:
رضا آمری؛ مولانا مولوی سید رضا الحق آمری
آبرو۔ شہزاد آبرو
حنیف: کاتب محمد حنیف (مصنف لرزشِ لب)

صفحہ 24: طرحِ نو
غزلوں کا پہلا مجموعہ 1974ء
نقش گیر؛ غزلوں کا دوسرا مجموعہ
فکر بر: غزلوں کا تیسرا مجموعہ
شگاف در شگاف: افسانوں کا پہلا مجموعہ
ترسیلے: ہائیکو نظموں کا مجموعہ 1986ء
ہائیکو کے مجموعے
نثر غزلیہ: نثری غزلیں سالار میں لگاتار شائع ہوئیں
سانیٹ۔ سانیٹ کا مجموعہ "اسم تاب"
نعتیہ سانیٹ کا مجموعہ "نور السماوات"

صفحہ نمبر 26: شمس۔ شمس الرحمٰن فاروقی، عظیم نقاد
گوپی چند۔ گوپی چند نارنگ، عظیم نقاد
راہی۔ مولانا راہی فدائی
علی اثر۔ پروفیسر محمد علی اثر، حیدرآباد

صفحہ نمبر 31: عادل۔ منشی عبد العزیز عادل
دانش۔ استاد محترم حضرت دانش فرازی
عزیز۔ ڈاکٹر عزیز تمنائی۔ اردو ادب کو اولین سانیٹ کا مجموعہ دینے والا شاعر

ضیا۔ ضیا فتح آبادی۔ دہلی
آثم۔ منشی ابراہیم آثم کرنولی
گلاب۔ سید احمد گلاب ویلوری
حیات۔ حیات مدراسی
کاوش۔ حضرت کاوش بدری
ادیب۔ ادیب بھارتی (ٹملناڈو کا گمنام افسانہ نگار)
سروش۔ پروفیسر سروش داؤدی
سالک۔ مولانا سالک ناکطی
حبیب۔ حبیب اللہ شاہ مدراسی
صفحہ نمبر 32: عبد۔ حضرت عبداللہ عبد مدراسی (ٹمل ناڈو کے نعت گو شاعر)
فرحت۔ سید رحمت اللہ فرحت کیفی۔ اردو ادب کو اولین ترائیلے کا مجموعہ دینے والا شاعر
اثر۔ اثر مجیدی پاکستان گئے اور وہیں وفات پائے
صفحہ 34: میر۔ میر تقی میر
غالب۔ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ
نظیر۔ نظیر اکبر آبادی
مجاز۔ اسرار الحق مجاز
فیض۔ فیض احمد فیض
جوش۔ جوش ملیح آبادی
صفحہ 37: میر ایوارڈ۔ آل انڈیا میر ایوارڈ لکھنؤ (امتیازِ میر اور نوائے میر)
جمیل شرفی ایوارڈ۔ مولانا مولوی جمیل الدین شرفی ایوارڈ
مولانا راجی صدیقی ایوارڈ
ٹیپو ایوارڈ۔ کڈپہ شریف میں سید صفی کی جانب سے
بسمل ایوارڈ۔ بسمل عظیم آبادی ایوارڈ، بہار اردو اکاڈمی کی جانب سے
باقر۔ مولانا مولوی باقر آگاہ ویلوری
صفحہ 38: پٹنہ و بہار۔ پٹنہ میں مشتاق احمد نوری سے فیض یاب
ہزاری باغ بہار میں علامہ ناوک حمزہ پوری سے فیض یاب
ہزاری باغ میں پرنسپل علی منیر صاحب سے استفادہ
صفحہ 39: تواریخِ ادب: تاریخِ ادب اردو کی دو جلدیں 2600 صفحات پر مشتمل
صفحہ 49: مشیرِ کار: کوکن۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن، صدر شعبہ اردو، عربی و فارسی مدراس یونیورسٹی
محبوب۔ پروفیسر محبوب پاشا محبوب
حیدری۔ پروفیسر حیدر علی خان حیدر

سرمدی۔ پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی
نجم۔ پروفیسر نجم الہدیٰ
مختار۔ حضرت مختار بدری۔ اسّی کتابوں کے مصنف
صفی۔ پروفیسر سیّد صفی اللہ عابد صفی۔ سابق صدر شعبہ اردو عربی اور فارسی، مدراس یونیورسٹی
وحید۔ پروفیسر وحید اشرف۔ مصنف ''تصوف اور رباعی''
حبیب۔ پروفیسر قاضی حبیب احمد۔ صدر شعبہ عربی، اردو و فارسی۔ مدراس یونیورسٹی
نیاز۔ پروفیسر نیاز احمد جمالی، پرنسپل جمال محمد کالج، چنئی
فدوی۔ مولانا فدوی باقوی ویلوری
وہاب۔ سیّد عبدالوہاب صاحب (نورِ باقیات)
وہاب۔ سیّد عبدالوہاب بخاری (پرنسپل نیو کالج، چنئی)

☆☆☆
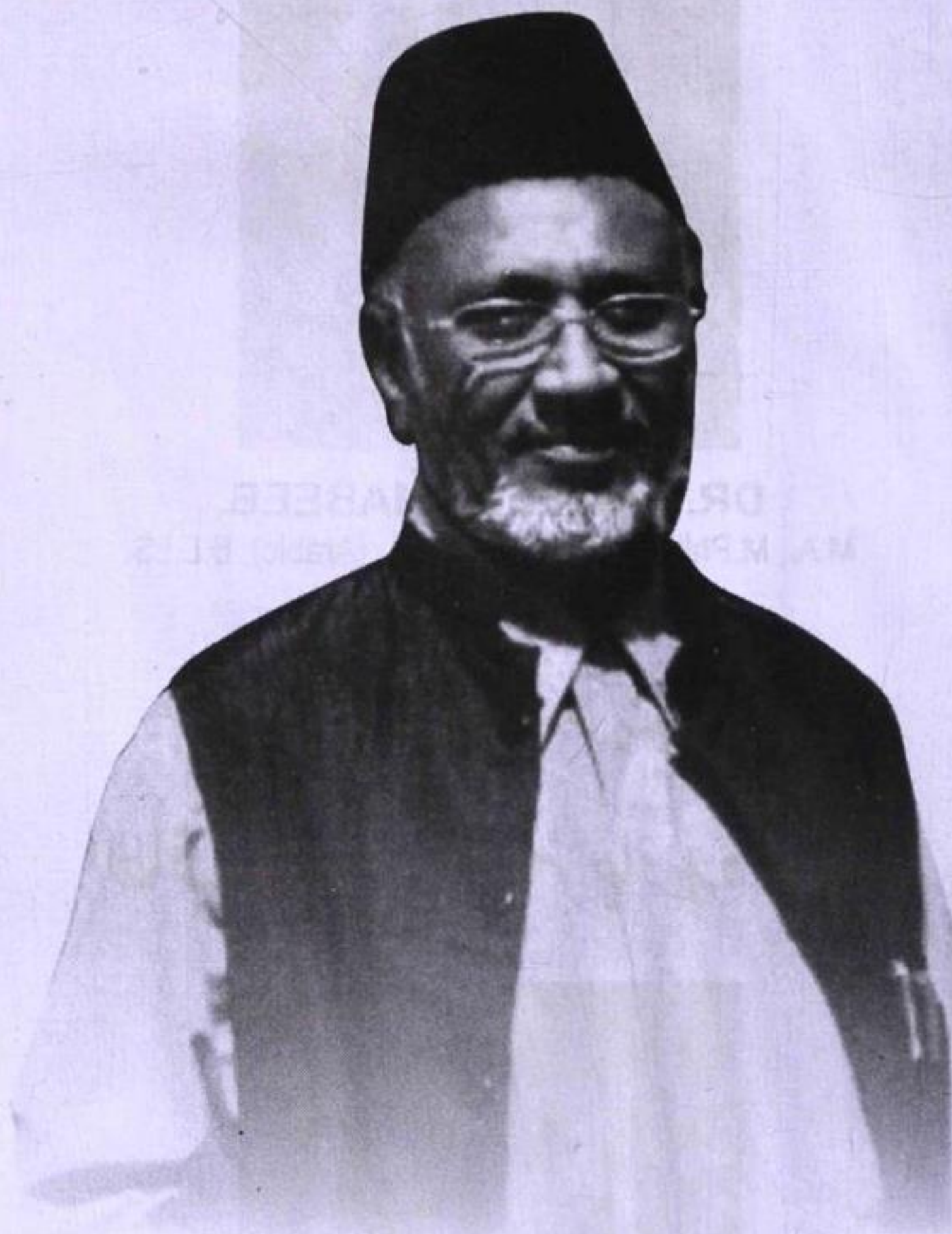
Author:
Aleem Saba Naveedi
B.A. (Alig)

Cell: 91761 37462

Email: sabanaveedi42@gmail.com

DR. JAWEEDA HABEEB,
M.A., M.Phil., Ph.D., (Urdu) M.A. (Arabic), B.L.I.S.

ترتیب و تدوین

الطاف شاداب: ڈاکٹر جاویدہ حبیب
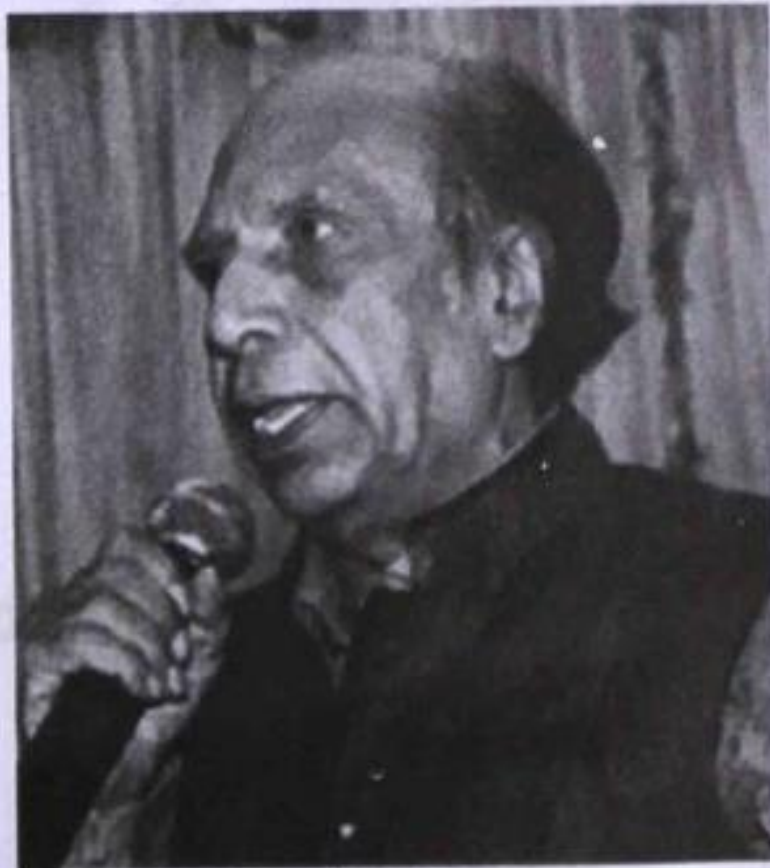
ALTAF SHADAB

AUR RAAVI NEY KAHA

(Urdu Masnawi)

by: Aleem Saba Naveedi

اور راوی نے کہا

(پروفیسر علیم اللہ حالیؔ)

جناب علیم صبا نویدی کی تخلیقی، ادبی اور تنقیدی شخصیت کو کسی ایک تحریر میں سمیٹنا ازبس کہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اگر ان کے کارناموں پر کتابیں لکھی جائیں تو ان کی تعداد تقریباً اتنی ہی ہو جائے گی جتنی تعداد خود ان کی تصانیف کی ہے۔ اس جوکھم میں پڑنا جان کو خطرے میں ڈالنا ہے اور اب میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچا ہے کہ اس پروجکٹ کے سلسلے میں کچھ سوچوں۔

فی الوقت میں ان کی ایک نادر تخلیق مثنوی 'اور راوی نے کہا' کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس مثنوی کا جزوی مطالعہ کر پایا ہوں، یہ ایک منظوم آپ بیتی یا خودنوشت ہے۔ فنی اعتبار سے اس کی اہمیت یوں بنتی ہے کہ انہوں نے یہ مثنوی نہایت مختصر بحر میں لکھی ہے۔ تخلیقی اعتبار سے اس کا فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اس میں شاعرانہ حسنِ خیال، فارسی کی اضافتوں اور شاعری کی دوسری صناعیوں کی نہ ضرورت پڑتی ہے اور نہ اس کا کوئی موقع ہے۔ مختلف ابواب میں سادگی، بے تکلفی اور سلاست کے ساتھ وقوعے بیان کئے گئے ہیں جو اپنے اندر غیر معمولی تاثیر اور کیفیات کے حامل ہیں۔

شعری اظہار میں عام طور پر حقائق سے زیادہ تخیلات اور تصورات کی کارفرمائی وجہ کشش بنتی ہے۔ علیم صبا نویدی نے اس سے گریز کیا ہے اور جہاں تک ہوسکتا ہے غیر صناعانہ طور پر واقعات رقم کئے ہیں۔ اس سادگی سلاست اور راست بیانیہ کی وجہ سے تخلیق کار کو الفاظ سے کھیلنے کی ضرورت نہیں پڑی اور کہیں سے اس شعری اظہار سے سمجھوتا نہیں کرنا پڑا جہاں ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ خودنوشت یا آپ بیتی میں مصنف اپنی شخصیت کے کن پہلوؤں کو چھپا لیتا ہے اور کس قدر اظہار کی سچائی سے کام لیتا ہے۔ عام طور پر نہایت بے باک اور جری قسم کے قلم کار کی آپ بیتی میں بھی "کھلتے جانے میں ڈھانپتے جانا" کی کیفیت ملتی ہے۔ تخلیق کار اگر ہنرمند ہے تو وہ نیم گفتنی میں بھی اپنی جراتِ اظہار کا ہنر پیدا کر لیتا ہے۔ بہرحال جنابِ علیم صبا نویدی کی یہ نادر تخلیق ان کی عام شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کی فن کارانہ ہنرمندی کا ایک روشن اشاریہ ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

Printed: J.M. Process Chennai - 600 002.